اسلام اور تہذیبِ جنس

_____ مولانا سلطان احمد اصلاحی

جنسی انارکی اور بے راہ روی معاصر دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس کی آفت اور آنچ کو وطن عزیز میں بھی اسی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے اور جس کے پیدا کردہ مسائل سے معاصر دنیا کی غیر مسلم انسانیت بھی جلد سے جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے جو زندگی میں صحیح عقائد اور صحیح نظام حیات سے محروم ہے اور جس کے پاس توحید اور آخرت کے نکھرے ہوئے تصورات کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جنس (Sex) کے سلسلے میں بے لگام آزادی اور اباحیت پسندی (Permissiveness) کے قائل امریکہ اور یورپ بھی اس کے پیدا کردہ مسائل سے کم پریشان نہیں ہیں۔ اس ترقی یافتہ دنیا میں کنواری ماؤں اور تنہا والدین (Single Parents) کا انتہائی سنگین مسئلہ ہے جو اس کے وجود کے لئے خطرہ ہے اور اس کے روبرو کہا جاسکتا ہے کہ آج کا روشن خیال یورپ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ جنسی آوارگی نے آج یورپ اور امریکہ اور ان کی راہ چلنے والے روس، جاپان اور سنگاپور جیسے ملکوں کے لئے آبادی کے بحران کا مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ اس آوارگی کے سبب ان ملکوں کی آبادیاں یا تو گھٹ رہی ہیں یا ایک خاص سطح پر آکر ٹھہری ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے ان ملکوں میں آبادی بڑھانے کی مختلف ذرائع سے ترغیب اور تشجیع کی جارہی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یورپ، امریکہ اور ان کے یہ ہم مشرب ممالک اس کے پیدا کردہ مسائل سے کس طرح عہدہ برآ ہوں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات خود ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اس سے ہٹ کر ہمارے ملک اور اس سے باہر جو لوگ مذہب پسند ہیں، اور زندگی میں شرافت، تہذیب اور اخلاق کے قائل ہیں، ان کے یہاں آج کے دور کی جنسی بے راہ روی پر روک لگانے کے سلسلے میں سارا زور عریانیت وفحاشی، عریاں فلموں، عریاں اشتہارات، گندی تصویروں اور فحش لٹریچر کے

خاتمہ وغیرہ پر دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں آج کے دور کی جنسی انارکی اور جنسی بے راہ روی سے عہدہ برآ ہونے کی یہ بڑی اہم تدبیریں ہیں۔ اسلام نے ان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ لیکن ان سب سے پہلے اور ان سب سے بڑھ کر وہ مرض کی جڑ کو پکڑتا اور اس کے علاج کی کوشش کرتا ہے۔ اس پس منظر میں آج کے دور میں جنسی انارکی کے حملہ سے بچاؤ کے لئے اسلام جلد شادیوں کی ترغیب کا اپنا نسخۂ کیمیا پیش کرتا ہے۔

جلد شادیوں کی ترغیب

قرآن مجید میں سورۂ نور 'تہذیبِ جنس' کی سورہ ہے۔ بقرہ، نساء، مائدہ، احزاب، طلاق اور تحریم اس میں اس کی معاون ہیں۔ اس سورہ کا آغاز زنا اور تہمتِ زنا کی سخت سزا کے بیان سے ہوا ہے۔ معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کے اسباب ومحرکات پر روک، اجنبی گھروں میں داخلہ کی ممانعت، مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم، ساتر لباس کی تلقین اور آخر میں پردے کے احکام کی تفصیل ہے۔ اور ان کے درمیان میں وہ دستوری آیتِ کریمہ ہے جس میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو جلد شادیوں کا حکم دیا گیا ہے اور معاشرے کے ذمہ دار افراد کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے درمیان کسی مرد وعورت اور لڑکے لڑکی کو بغیر نکاح کے نہ رہنے دیں۔ اس ترتیب کی یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ اگر سماج میں مردوں اور عورتوں کی بروقت شادیوں کا اہتمام اور اس کی تحریک نہ رہے تو اس کو پاک باز اور عفت مآب بنانے کی اس سے پہلے اور بعد کی جو تدابیر ہیں وہ بے اثر رہ جائیں گی اور سماج اور معاشرے پر اس کے خاطر خواہ نتائج ظاہر نہ ہو سکیں گے:

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآءِکُمْ ؕ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ (نور: ۳۲)

اور (اے مسلمانو!) تم میں سے جو (مرد وعورت) بے نکاح کے ہوں، اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نیک ہوں ان کا نکاح کرانے میں دیر مت کرو۔ اگر یہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو مال دار کردے گا۔ اور اللہ بڑی کشادگی والا، علم والا ہے۔

اس آیت کریمہ کا ایک ایک لفظ قابلِ توجہ اور معانی کا مخزن ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس میں غیر شادی شدہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنا نکاح خود کرنے کا نہیں، بلکہ ان کے اولیاء اور معاشرے کے ذمہ دار افراد کو ان کا نکاح کرانے کا حکم ہے۔ آیت کریمہ میں 'وَانکِحُوْا' امر کا جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر 'انکاح' ہے، اس کے معنی نکاح کرانے کے ہیں۔ بسا اوقات شادی کے ضرورت مند لڑکے لڑکی اور مرد و عورت کو اپنی اس ضرورت کے اظہار میں تکلف ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں نکاح کرنے کے بجائے نکاح کرانے کا یہ حکم بہت معنی خیز ہے، جس کا مطلب ہے کہ لڑکے یا لڑکی کے باپ، بھائی اور دیگر اولیاء، اس کے ساتھ ہی معاشرے کے تمام ذمہ دار افراد کا فرض ہے کہ وہ خود نگاہ رکھیں، جس سے سماج اور معاشرے کا کوئی فرد ضرورت کے باوجود نکاح ہونے سے نہ رہ جائے۔ اس طرح اس کا خطاب لڑکی کی نسبت سے اس کے اولیاء: باپ، دادا، بھائی اور چچا وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ معاشرے کے کسی بھی ذمہ دار فرد کی طرف سے اگر یہ نکاح کر دیا جائے تو اپنی شرطوں کی ادائیگی کے ساتھ یہ نافذ اور درست ہوگا۔ امام ابو بکر حصاص رازی حنفیؒ (م ۳۷۰ھ) اس سلسلے میں اسی تعمیم کے قائل ہیں اور یہی بات راجح، درست اور مصالح سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے:

ولکن دلالة الآية واضحة في وقوع العقد الموقوف اذلم يخصص بذٰلک الاولياء دون غيرهم وکل احد من الناس مندوب الیٰ تزويج الايامیٰ المحتاجين الى النكاح ۲؎

لیکن آیت کی دلالت اس کے سلسلے میں واضح ہے کہ عقد نکاح جو (ولی کی اجازت پر) موقوف ہو وہ درست ہو جائے گا۔ اس لیے کہ آیت کریمہ میں اس مقصد سے اولیاء کی تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ یہ کام بس انہی سے ہو سکتا ہے، دوسروں کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بجائے ہر شخص اور ہر فرد کے لیے مندوب و مستحسن ہے کہ جو لوگ بے نکاح کے ہوں اور ان کو اس کی ضرورت ہو وہ ان کے نکاح کی فکر کرے اور اس کی طرف متوجہ ہو۔

آگے وہ اسی کے سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

لان الآیۃ لم تخص الاولیاء بھٰذا الامر دون غیرھم، وعمومہ یقتضی ترغیب سائر الناس فی العقد علی الایامیٰ ۳؎

اس لیے کہ آیت کریمہ میں اولیاء کی تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ یہ کام بس وہی کر سکتے ہیں، دوسرے نہیں کر سکتے۔ اس کے بجائے آیت کا عموم اس کا تقاضا کرتا ہے کہ بے نکاحوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے میں تمام لوگوں کو دلچسپی لینی چاہئے۔

معلوم ہے کہ اسلامی شریعت میں بالغ مسلمان لڑکا اور مرد اپنی شادی کے معاملے میں آزاد اور خودمختار ہیں اور اپنے نکاح کے معاملے میں وہ باپ بھائی کی اجازت اور منظوری کے پابند نہیں ہیں۔ شریعت میں اس کی پابندی اور ضرورت اپنی تفصیلات کے ساتھ صرف لڑکیوں اور عورتوں کے لیے ہے۔ لیکن آیت کریمہ کا یہ انداز بیان بتاتا ہے کہ باپ بھائی کی قانونی ذمہ داری نہ ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ معاشرے کے تمام ذمہ دار افراد کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ غیر شادی شدہ لڑکیوں اور عورتوں کی طرح کوئی لڑکا اور مرد بھی ضرورت کے ہوتے ہوئے بغیر شادی اور نکاح کے نہ رہ جائے۔

دوسرا توجہ طلب لفظ زیرِ نظر آیت کریمہ میں 'ایامیٰ' کا ہے، جو 'ایّم' کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ مرد اور عورت جن کی شادی نہ ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ کنوارے ہوں یا شوہر آشنا اور بیوی چشیدہ ۴؎ دوسرے لفظوں میں اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو اور وہ مرد ہے جس کی بیوی نہ ہو۵؎

لیکن ماہرین لغت وادب ابوعمرو جاحظ اور کسائی وغیرہ کے مطابق اس لفظ کا غالب استعمال اس عورت کے لیے ہے جس کا شوہر نہ ہو، بلا لحاظ اس کے کہ وہ کنواری ہے یا شوہر دیدہ۔

واتفق اھل اللغۃ علی ان الایم فی الاصل ھی المرأۃ التی لازوج لھا، بکرا کانت او ثیباً ۶؎

تمام اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ 'ایّم' در اصل اُس عورت کو ہی کہتے ہیں کہ جس کا شوہر نہ ہو۔ بلالحاظ اس کے کہ وہ کنواری ہو یا شوہر آشنا۔

یہی بات آگے دوسرے ماہر لغت ابوعبید کے حوالہ سے کہی گئی ہے:

یقال رجل ایّم و امرأۃ ایّم، و اکثر ما یکون ذٰلک فی النساء، وھو کالمستعار للرجال ۷	کہا جاتا ہے کہ 'ایّم مرد' اور 'ایّم عورت'۔ البتہ اس کا غالب استعمال عورتوں ہی کے لیے ہے۔ مردوں کے لیے اس کا استعمال مستعار ہے۔

اس سے ضمناً آیتِ زیرِ نظر کے حوالہ سے نکاحِ بیوگان کی پسندیدگی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ جو خاص طور پر ہمارے عزیز وطن اور اس سے آگے پورے برصغیر ہند کا ایک اہم سماجی مسئلہ رہا ہے۔ طلاق پاجانے یا شوہر کے انتقال کر جانے کی صورت میں غیر مسلم عورت کی طرح مسلمان عورت کا بھی دوسرا نکاح بہت مشکل تھا۔ چنانچہ اس کے خلاف ماضی میں ہمارے علماء و مصلحین کی طرف سے باقاعدہ نکاح بیوگان کی تحریک چلائی گئی۔ مسلمان معاشرے میں آج بھی اس کا اثر کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے۔ اور ہمیشہ کی طرح زیر بحث آیت کریمہ آج بھی مسلمانوں کو اس پہلو سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ مرد کی طرح عورت کا کسی بھی حالت میں بغیر نکاح کے رہنا شیطان کو اپنے اوپر جری کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام دنیا میں 'تہذیب جنس' کی جو مہم چلانا چاہتا ہے اور جنس کے لائے ہوئے فتنوں سے دنیا اور انسانیت کو بچانا چاہتا ہے، بغیر شادی کے مرد اور عورت کا جلد اور وقت پر نکاح اس کی خشتِ اول ہے۔ اگر یہ اینٹ درست نہ بیٹھ سکی تو بعد کے کسی مرحلے میں اس کی اس کجی کو درست کرنا آسان نہ ہوگا۔ ماضی قریب میں ہندو برادرانِ وطن کی ناہموار معاشرت کا یہ سنگین ترین مسئلہ رہا ہے۔ ہندو سماج کم سن بیواؤں کی ایک قابل لحاظ تعداد کے سامنے آجانے کے نتیجے میں ہی گذشتہ عیسوی صدی کی پہلی تہائی میں بعض ہندو مصلحین کی طرف سے برصغیر ہند میں کم سنی کی شادی کے خلاف تحریک چلائی گئی اور آگے کے مرحلہ میں باقاعدہ قانون سازی کے ذریعہ اس کی ممانعت کی گئی اور لڑکے اور لڑکی کی شادی کی کم سے کم عمر کا باضابطہ تعین کیا گیا ۸۔ قرآن کی صرف یہ ایک آیت کریمہ ہندو قوم کو اس کی اس مصیبت سے نجات دلاسکتی ہے، لیکن

افسوس کہ برادران وطن کا ایک طبقہ بدقسمتی سے اللہ کی آخری کتاب سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس میں ترمیم اور تنسیخ کا مطالبہ کرتا ہے۔

آزاد مردوں اور عورتوں کے ساتھ نیک غلاموں اور باندیوں کی شادی کا حکم

یہاں تک حکم آزاد مردوں اور عورتوں سے متعلق تھا۔ آگے اسی طرح نیک غلاموں اور باندیوں کے نکاح کی ترغیب ہے۔ زمانۂ نزولِ قرآن کے وقت دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح عرب میں بھی غلامی کا رواج تھا۔ غلام مرد، عورت اپنے آقا اور مالکہ کی ملکیت ہوتے تھے، اور ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر دوسرے تمام کاموں کی طرح وہ اپنی شادی بھی خود سے نہیں کر سکتے تھے۔ اس پس منظر میں ان کے مالکوں کو متوجہ کیا گیا کہ وہ اپنے بیٹوں بیٹیوں کی طرح اپنے غلاموں اور باندیوں کی شادی سے غفلت نہ برتیں۔ اور ضرورت کے تقاضے سے آزاد مردوں اور عورتوں کی طرح ان کی بھی جلد اور بروقت شادی کردی جائے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآءِكُمْط. (نور: ۳۲)	اور (اے مسلمانو!) تم میں سے جو (مرد و عورت) بے نکاح کے ہوں، اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نیک ہوں تم ان کا نکاح کرانے میں دیر مت کرو۔

اس موقع پر غلاموں اور باندیوں کے سلسلے میں جو 'نیکوکاری' کی شرط لگائی گئی ہے: وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط، اس کی توجیہ میں علامہ زمخشریؒ (م۵۳۸ھ) نے اپنے مخصوص انداز میں ایک بات یہ کہی ہے:

فان قلت: لم خص الصالحين. قلت: ليحصن دينهم ويحفظ عليهم صلاحهم، ولان الصالحين من الارقاء هم الذين مواليهم	اگر تم کہو کہ اس موقع پر 'صالحین' کی تخصیص کیوں کی گئی؟ تو اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ ایسا اس لیے ہے تاکہ ان کی دین داری کو بچایا جاسکے اور ان کی بھلائی اور بہتری کی حفاظت کی جاسکے۔ نیز اس

یشفقون علیهم وینزلونهم منزلة الاولاد فی الاثرة والمودة فکانوا مظنة للتوصیة بشأنهم والاهتمام بهم وتقبل الوصیة فیهم۹

لیے بھی کہ غلاموں (اور باندیوں) میں سے جو نیک اور صالح ہوتے ہیں انہی پر ان کے آقا مہربان ہوتے ہیں اور اپنائیت اور محبت کے معاملے میں ان سے اولاد جیسا برتاؤ کرتے ہیں ۔ چناں چہ ان کو اپنے کسی معاملے میں تائید اور سفارش کی ضرورت ہوتو سب سے پہلے نظر انہی کی طرف جاتی ہے اور وہ اس کا خیال بھی رکھتے ہیں ۔ اور وہی ان کے معاملے میں وصیت قبول کرنے کے بھی حق دار ہوتے ہیں ۔

دوسری توجیہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ) کی ہے کہ یہاں یہ شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ غلام اور باندی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اپنے مالکوں کا کام ہی کرنا نہ چھوڑ دیں:

'اور جو نیک ہوں لونڈی غلام یعنی بیاہ دینے سے مغرور نہ ہو جاویں
کہ تمہارا کام چھوڑ دیں،'۱۰

ہمارے نزدیک یہ دونوں ہی تاویلیں کم زور ہیں ۔ اس موقع پر غلاموں اور باندیوں کے ساتھ نیکوکاری کی صفت ' وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ ' کا بیان ان کے آقاؤں اور مالکوں کو ان کے نکاح کی ترغیب دینے اور معاشرے کے آزاد مردوں اور عورتوں کو بھی ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے ۔ اور اس لحاظ سے سورۂ نور کی یہ آیت کریمہ سورۂ نساء کی آیت ذیل کے بالکل ہم معنی اور ہم رنگ ہے۱۱ جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِمَّامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ الخ (نساء:۲۵)

اور تم میں سے جس کو استطاعت نہ ہو کہ وہ آزاد مسلمان عورتوں سے شادی کر سکے تو تمہاری زیر ملکیت جو جوان مسلمان باندیاں ہیں (وہ ان سے شادی کر لے)

جس طرح سورۂ نساء کی اس آیت کریمہ میں آزاد عورتوں سے شادی کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں باندیوں سے شادی کی ترغیب دی ہے اور اس کے لیے ان کی جوانی اور ایمان کی دوگونہ صفات کا حوالہ دیا ہے۔ کسی صاحب ایمان مرد کے لیے اپنی شریک حیات کے سلسلے میں ان دونوں خوبیوں کے بعد کسی تیسری چیز کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ اسی طرح سورۂ نور کی زیرِ نظر آیت کریمہ میں آقاؤں اور مالکوں کو اپنے غلاموں اور باندیوں کی شادی کے سلسلے میں ان کی 'نیکی اور صالحیت' کی سب سے بڑی صفت کا حوالہ دیا ہے کہ اس کے بعد ان کو دوسری چیز اور کیا درکار ہے جو شادی کے معاملے میں ان کے ساتھ اپنی اولاد جیسا معاملہ روانہ رکھا جائے۔ اسی طرح اپنے غلام اور باندی کی شادی کا اختیار ظاہر ہے اس کے آقا اور مالک کو ہی ہوسکتا ہے، لیکن اوپر آزاد مردوں اور عورتوں کی شادی کے سلسلے میں ان کے اولیاء سے آگے جو معاشرے کے تمام ذمہ دار افراد کی تعمیم ہے، اس کے پیش نظر یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے غلام اور باندی کی شادی کا اختیار تو بلاشبہ اس کے آقا اور مالک کا ہی ہوگا، لیکن اس میں دلچسپی پورے مسلمان معاشرے کو لینی چاہیے اور سماج اور معاشرے کو جنسی فساد اور جنسی بگاڑ سے بچانے کے لیے باشعور اور خداترس آقا سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کی بات پر کان دھرے گا اور آزاد مردوں اور عورتوں کی طرح اُس وقت کے سماج کا یہ مظلوم اور مقہور طبقہ وقت پر اپنی شادی اور نکاح کے حق سے محروم نہیں رہے گا۔[۱۲] مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنے جوان غلاموں عکرمہ اور کریب وغیرہ کو اپنے پاس جمع کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ اگر تم شادی کرنا چاہو تو میں تمہاری شادی کردوں، اس لیے کہ بندہ اگر زنا کاری کا ارتکاب کرلیتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے: [۱۳] اس کے ساتھ ہی زیرِ نظر آیت کریمہ (نور: ۳۲) کے حوالہ سے صراحت ہے کہ ضرورت کے تقاضے سے آقا غلام اور باندی کی مرضی کے بغیر بھی ان کا نکاح کرسکتا اور ان کو شادی کے بندھن میں باندھ سکتا ہے۔[۱۴]

اُس وقت کے غلاموں اور باندیوں سے بڑھ کر آج دنیا کا کوئی دوسرا طبقہ

پس ماندہ، غریب، بے بس اور مجبور نہیں ہے۔ تو جب قرآن نے اُس وقت کے حالات میں بروقت شادی کے سلسلے میں ان کا اس درجہ لحاظ رکھا تو آج کے حالات میں آزاد سماج کے جن مردوں اور عورتوں کے حالات ان سے مشابہ اور قریب ہوں، اللہ کی آخری کتاب کی ترجیح اور پسند ان کے سلسلے میں اس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔ جب کہ آج صورت حال یہ ہے کہ سماج اور معاشرے میں شادی اور نکاح مشکل ترین چیز بن کر رہ گئی ہے۔ ترقی یافتہ یورپ بڑی حد تک شادی کے بندھن سے آزاد ہوکر بدکاری، بے حیائی اور آزادانہ جنسی تعلقات کے ذریعہ اپنی اس ضرورت کی تکمیل کر رہا ہے۔ مشرق جو عام طور پر شادی کے ضابطہ کا قائل ہے اس نے مختلف رکاوٹیں کھڑی کر کے اسے دشوار سے دشوار تر بنا رکھا ہے۔ چنانچہ آج ہندوستان جیسی ترقی پذیر دنیا میں نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ شادی سے مایوس ہے۔ مختلف وجوہ سے جس شخص کا معاشی مستقبل غیر یقینی ہو وہ شادی کی بڑی مشکل ہی سے ہمت کر پاتا ہے۔ غیر مسلم برادران وطن سے ہٹ کر مسلمانوں کے بھی ایک قابل لحاظ طبقے میں اپنی اولاد کے سلسلے میں غیر معمولی بے حسی پائی جاتی ہے۔ شہر کی پاش کالونیوں میں ان کو شان دار مکان، گھوڑے گاڑی اور اپنے بینک بیلنس کی تو بہت فکر ہوتی ہے۔ نہیں فکر ہوتی ہے تو صرف اپنے جوان لڑکے اور لڑکی کی شادی کی جو ان کی ترجیحات میں فہرست کے سب سے آخری کنارے پر ہوتی ہے۔ معاشرے کی جنسی طہارت اور پاکیزگی پر اس صورت حال کا اثر پڑنا فطری ہے۔ دین دار اور ذمہ دار مسلمان والدین سے اس کی طرف فوری توجہ کی امید کی جاتی ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت

زیرِ نظر آیتِ کریمہ میں اولیاء یا پورے معاشرے کو بے نکاح لوگوں کی شادی کرانے کا جو حکم ہے، اس کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ واجب ہے؟ مندوب و مستحسن ہے؟ یا صرف مباح اور جائز ہے؟ اس کی بابت کہا گیا ہے کہ عام حالات میں یہ مباح اور جائز اور مندوب و مستحسن ہے۔ مختلف ائمہ کی اس سلسلے میں مختلف رائیں ہیں،

لیکن جب اس کا شدت سے تقاضا اور طبیعت پر اس کا غیر معمولی غلبہ ہو تو اس صورت میں بلا شبہ یہ واجب اور حتمی ہے اور دوسری ہر چیز پر مقدم کر کے مسلمان مرد و عورت کو اپنے کو اس کے بندھن میں باندھ لینا چاہیے ۔ اس مسئلہ میں قاضی ابن عربی مالکیؒ کی گفتگو بہت متوازن ہے اور اس بحث میں اس کو قول فیصل کا درجہ دیا جا سکتا ہے ۔ پہلے تو وہ اس کی حیثیت کے متعلق اوپر کے تین سوالات قائم کرتے ہیں:

واختلف فی و جوبه أو ندبه أو اباحته علی ثلاثة أقوال ۱۵	اس کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ حکم واجب ہے، مندوب و مستحسن ہے یا صرف جائز ہے؟ اس کے متعلق تین قول ہیں۔

آ گے اس کی تفصیل کرتے ہیں:

وقال علماؤ نا یختلف الحکم فی ذلک باختلاف حال المرء من خوفه العنت وعدم صبره ومن قوته علی الصبروزوال خشیة العنت عنه واذاخاف الهلاک فی الدین او الدنیا او فیهما فا النکاح حتم.۱٦	ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ اس کے سلسلے میں آدمی کی مختلف حالتوں کے لحاظ اس کا حکم بھی اسی طرح مختلف ہوگا۔ اس کو تنگی میں پڑنے کا اندیشہ ہے، وہ صبر نہیں کر سکتا ہے، اس کو صبر کرنے کی صلاحیت ہے۔ یا یہ کہ تنگی کا اندیشہ ختم ہو گیا۔ البتہ اگر اس کو اس کا اندیشہ ہو کہ دین یا دنیا یا ان دونوں کے لحاظ سے وہ ہلاکت کے منہ میں چلا جائے گا تو ایسے شخص کے لیے نکاح لازمی ہے۔

عام حالات کا معاملہ اس سے مختلف ہے، جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آ چکا ہے۔

چنانچہ آگے ہے:

وان لم یخش شیئاً و کانت الحال مطلقة فقال الشافعی النکاح مباح وقال ابو حنیفة و مالک هو مستحب ۱۷	اور اگر اس کو کسی بات کا اندیشہ ہو اور حالت برابر ہو تو امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ نکاح کرنا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا فرمانا ہے کہ وہ مستحب ہے۔

علامہ ابن رشد قرطبی مالکیؒ (م۵۹۵ھ) کے یہاں اس کی مزید تفصیل ہے۔ جہاں اس سلسلے میں مالکی مسلک کو بھی مزید کھول دیا گیا ہے۔

فاما حکم النکاح فقال قوم :هو مندوب الیه ، وهم الجمهور، وقال اهل الظاهر: هو واجب، وقالت المتأخرة من المالکیة: هو فی حق بعض الناس واجب ، وفی حق بعضهم مندوب الیه، وفی حق بعضهم مباح، وذلک بحسب مایخاف علی نفسه العنت ۱۸	جہاں تک نکاح کے حکم کا سوال ہے تو کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پسندیدہ ہے۔ یہ جمہور کی رائے ہے۔ البتہ اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ یہ واجب ہے۔ متأخرین مالکیہ کا کہنا ہے کہ یہ کچھ لوگوں کے حق میں واجب ہے اور کچھ کے حق میں پسندیدہ ہے۔ جب کہ بعض کے حق میں یہ صرف جائز ہے۔ اس کا دارو مدار اس پر ہے کہ تنگی اور گناہ میں پڑنے کا کس کو کس درجہ میں اندیشہ ہے۔

حضرات حنابلہ کی رائے اس مسئلہ میں اس سے مختلف نہیں ہے۔ عام حالات میں بلا شبہ ان کے یہاں نکاح واجب نہیں ہے، لیکن اگر آدمی کے گناہ میں پڑنے کا اندیشہ قوی ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا واجب ہے۔ فقہ حنبلی کے معتبر ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی (م۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

واختلف اصحابنا فی وجوبه فالمشهور فی المذهب انه لیس بواجب الا ان یخاف احد علیٰ نفسه الوقوع فی محذور بترکه فیلزمه اعفاف نفسه ۱۹	ہمارے اصحاب کا اس کے وجوب کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ مذہب حنبلی کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ الا یہ کہ کسی شخص کو اس کا اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں وہ گناہ میں پڑ جائے گا تو ایسے شخص کے لیے اپنی پاک بازی کا انتظام کرنا لازمی ہوگا۔

آگے اس کی مزید تفصیل ہے۔ نکاح کے معاملے میں لوگوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس میں پہلی قسم انہی لوگوں کی ہے جن کے لیے نکاح واجب ہے:

منهم من يخاف على نفسه الوقوع في المحظور ان ترك النكاح، فهٰذا يجب عليه النكاح في قول عامة الفقهاء، لانه يلزمه اعفاف نفسه وصونها عن الحرام وطريقه النكاح .[۲۰]	ایک شخص وہ ہے جسے اندیشہ ہو کہ اگر وہ بغیر نکاح کے رہے تو گناہ میں پڑ جائے گا تو ایسے شخص کے لیے عامۂ فقہاء کے نزدیک نکاح کرنا واجب ہے، اس لیے کہ اس کے لیے اپنی پاک بازی کا انتظام کرنا اور اس کو حرام کاری سے بچانا لازمی ہے۔ اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے کو نکاح کے بندھن میں باندھ لے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح مندوب و مستحسن ہے، جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آیا ہے، لیکن اگر آدمی کی طبیعت پر جنسی خواہش کا سخت غلبہ ہو تو حضرات حنفیہ کے یہاں بھی ایسی صورت میں نکاح واجب ہے۔ اور اگر اس کے بغیر زنا میں پڑنے کا یقین ہو تو اس سے آگے آدمی کے اوپر نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور متن درمختار میں ہے:

ويكون واجبا عند التوقان فان تيقن الزنا الا به ففرض[۲۱]	آدمی کے اوپر جنسی خواہش کا غلبہ ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا واجب ہے۔ لیکن (اس سے آگے) بغیر نکاح کے رہنے پر اس کو زناکاری میں پڑنے کا یقین ہو جائے تو ایسی حالت میں اس کے لیے نکاح کرنا فرض ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی کا کہنا ہے:

ان بان كان لايمكنه الاحتراز عن الزنا الا به لان مالا يتوصل الى ترك الحرام الا به يكون فرضا[۲۲]	یعنی کہ نکاح کے بغیر اس کو اپنے آپ کو زناکاری سے بچانا کسی صورت ممکن نہ ہو، اس لیے کہ جس چیز کو اختیار کیے بغیر حرام کو چھوڑنا ممکن نہ ہو تو وہ چیز فرض ہو جاتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کے مقابلہ میں عبادت میں مشغول ہونا افضل

ہے۲۳۔ اور اسی لیے حضرات شوافع کے یہاں نکاح اور ترک نکاح دونوں کی یکساں طور پر گنجائش ہے۔ جیسا کہ اس کی آفات اور اس کے فوائد کے حوالہ سے ان کے سب سے بڑے ترجمان امام غزالیؒ کے یہاں اس کی تفصیل ہے۲۴۔ ان کے نزدیک بھی اگر آدمی جوان ہو اور اس کو اپنی جنسی تسکین کی ضرورت ہو تو ایسی صورت میں اس کے لیے نکاح افضل ہے:

فان انتفت فی حقه الآفات واجتمعت الفوائد بان کان له مال حلال وخلق حسن وجد فی الدین تام لایشغله النکاح عن اللّٰه وهو مع ذٰلک شاب محتاج الی تسکین الشهوة ومنفرد یحتاج الی تدبیر المنزل و التحصن بالعشیرة فلا یماری ان النکاح افضل له . ۲۵

اگر آدمی کو تمام طرح کی آفتوں سے نجات ہو اور تمام طرح کے فائدے اس کو حاصل ہوں، چنانچہ اس کے پاس حلال مال ہو، اچھا اخلاق ہو اور دین کے معاملے میں وہ اپنی تمام تر قوت کو جھونک رہا ہو، اسی طرح نکاح کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ سے غفلت نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ جوان ہو اور اس کو اپنی جنسی خواہش کو ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہو۔ نیز وہ اکیلا ہو اور اس کو گھر چلانے کے لیے مددگار اور خاندان کی حمایت اور تائید کی ضرورت ہو تو کوئی شک نہیں کہ ایسے شخص کے لیے نکاح کر لینا افضل ہے۔

آگے وہ اسی نکتے کی تشریح میں مزید فرماتے ہیں:

واما اذا انضاف الی امر الولد حاجة کسر الشهوة لتوقان النفس الی النکاح نظر فان لم یقو لجام التقویٰ فی رأسه وخاف علی نفسه الزنا فالنکاح له اولی. ۲۶

اولاد کی طلب کے علاوہ اگر نکاح کی ضرورت میں یہ چیز بھی شامل ہو جائے کہ جنسی خواہش کو کم کیا جا سکے اور اس کے غلبہ کو توڑا جا سکے تو آدمی ٹھہرے اور دیکھے۔ اب اگر تقویٰ کی لگام اس کے دماغ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اس کو زنا کاری میں پڑ جانے کا اندیشہ لاحق ہو جائے تو ایسے شخص کے لیے نکاح کر لینا بہتر ہے۔

یہاں تک کہ اس کی ضرورت سے آدمی اگر آزاد عورت سے شادی نہ کرسکے تو اسے باندی سے رشتہ کرلینا چاہیئے۔ اس صورت میں اگر چہ ماں کی جہت سے اس کی اولاد غلام ہوگی اور یہ ایک بڑا نقصان ہوگا، لیکن امام کہتے ہیں کہ دین کو غارت کرنے کے مقابلے میں بچے کے نقصان کو برداشت کرلینا کہیں بہتر ہے:

ولا جل فراغ القلب ابیح نکاح الامة عند خوف العنت مع ان فیه ارقاق الولد وھو نوع اھلاک وھو محرم علی کل من قدر علی حرة ولکن ارقاق الولد اھون من اھلاک الدین ولیس فیه الا تنغیص الحیاة علی الولد مدة وفی اقتحام الفاحشة تفویت الحیاة الاخرویة التی تستحقر الاعمار الطویلة بالا ضافة الی یوم من ایامھا۔ ۲۷

جب کہ آدمی کو تنگی اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہوتو دل کو فارغ اور مطمئن کرنے کے مقصد سے ہی باندی سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے حالاں کہ اس کی وجہ سے ہونے والی اولاد غلام ہوگی جو ایک طرح کی تباہی اور ہلاکت کی بات ہے۔ چنانچہ یہ ہر اس شخص کے حق میں حرام ہے جس کو آزاد عورت سے شادی کرنے کی قدرت ہو۔ لیکن اولاد کا غلام ہوجانا دین کے تباہ ہونے سے زیادہ ہلکا ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے تو صرف اولاد کی دنیوی زندگی کرکری ہوتی ہے جب کہ بدکاری میں پڑنے سے آدمی کی آخرت کی زندگی غارت ہوجاتی ہے۔ دریں حالیکہ اس کے ایک دن کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی طویل مدت بھی بالکل بے وقعت اور بے حقیقت ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ ضرورت کا تقاضا ہوتو کسی مسلمان کے لیے شادی کو ٹالنا درست نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں لڑکے لڑکی کے باپ، بھائی اور پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے غیر شادی شدہ لوگوں کے سلسلے میں فکرمند اور بے چین

ہوں ۔لڑکی کی شادی باپ کی قانونی ذمہ داری اور لڑکے کی شادی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ لیکن فکر مندی اور معاونت ہر ایک کے سلسلے میں اس کی طرف سے یکساں ضروری ہے۔ اسی طرح اوپر کی بحث میں صرف مردوں کا ذکر گفتگو کے عام معروف اسلوب کے مطابق ہے۔ ورنہ مرد کی طرح عورت کو بھی اس کی ایسی ہی احتیاج ہو تو بے جا حیاء کا شکار ہو کر اس کو بھی اپنے کو گناہ کے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ آج کے جنسی بحران اور انارکی کے دور میں گناہ سے بچنے اور قلب ونظر کی پاکیزگی کو یقینی بنانے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی وقت پر جلد شادی ہو جائے۔ اسی طرح معاشرے میں کوئی مرد وعورت ضرورت مند ہوتے ہوئے نکاح سے محروم نہ رہے۔

مانع فقر کا ازالہ

آیتِ کریمہ کے اگلے ٹکڑے میں اس سلسلے کی سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے۔شادی انسان کی فطری ضرورت ہے۔ اور ہر لڑکے اور لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ وقت پر اس کی جلد شادی ہو۔ اسی طرح طلاق یا شوہر اور بیوی کی وفات کی صورت میں عام طور پر کوئی مرد وعورت بغیر شادی کے نہیں رہنا چاہتا۔ اکثر وبیشتر محتاجی اور غریبی اس کی راہ میں مانع آتی ہے۔ اس کی وجہ سے خواہش اور ضرورت کے ہوتے ہوئے بھی آدمی اس کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام میں چوں کہ اصولی طور پر کمانے اور گھر چلانے کی ذمہ داری طبقۂ نسواں پر نہیں ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری مردوں پر ہے۔شادی سے پہلے لڑکی کا نفقہ اس کے باپ پر ہوتا ہے جو شادی کے بعد اس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لیے غریبی اور محتاجی کی وجہ سے شادی کو ٹالنے اور موخر کرنے کا معاملہ اصلاً لڑکے اور مرد سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ اس لیے زیر نظر ٹکڑے میں اس کے سلسلے میں انہی سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس میں ان کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کشادہ دستی اور اس کی خبر گیری پر بھروسہ اور اطمینان رکھیں کہ اگر شادی کے معاملے میں ان کی نیت درست اور ان کے عزائم صالح ہوئے تو غیب سے اللہ تعالیٰ کی

مدد آئے گی۔ اور شادی ان کے لیے مسائل پیدا کرنے کے بجائے اس کے حل کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ شادی کی برکت سے ان کی غریبی اور محتاجی دور ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی آمدنی میں معقول اضافہ ہوگا۔ کسی سچے مسلمان کے لیے ضرورت کے تقاضے سے وقت پر شادی کرنے کا اس سے بڑھ کر دوسرا محرک اور کیا ہوسکتا ہے:

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ طوَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (نور: ۳۲)

اگر وہ محتاج ہوئے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے مال دار کردے گا اور اللہ بڑی کشادگی والا، علم والا ہے۔

زیرِ نظر ٹکڑے کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ یہ صرف آزاد مردوں اور عورتوں سے متعلق ہے۔ غلام مردوں اور باندیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے ۲۸۔ لیکن اس تخصیص کے لیے کوئی خاص بنیاد نہیں ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ آگے کے حصے:

یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ط

اللہ ان کو اپنے فضل سے مالدار کردے گا۔

کی تفسیر دونوں ہی طریقوں سے کی گئی ہے۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ اس شادی کی بدولت اور اس کی وجہ سے ان کو مال دار کردے گا، یا یہ کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو دولت اور مال داری حاصل ہوجائے گی ۲۹۔ شادی کی بدولت جو مال داری کسی آزاد مسلمان مرد کو حاصل ہوسکتی ہے وہی مال داری غلام مسلمان مرد کو بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اس کی شادی کسی مال دار آزاد عورت سے ہوجائے، جب کہ شریعت میں اس کی پوری گنجائش موجود ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک شادی کا یہ حکم آزاد مسلمان مردوں اور غلام مسلمان مردوں دونوں سے متعلق ہے۔ اور جس طرح آزاد مردوں کے سلسلے میں ان کے اولیاء کو ان کی غربت اور کم آمدنی کی وجہ سے بہت زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس کو لگاتار اور مسلسل ٹالتے رہیں۔ مسلمان غلام مردوں کے مالکوں اور آقاؤں سے بھی یہ حکم اسی طرح سے متعلق ہوسکتا ہے کہ کسی غلام کی کمائی اور آمدنی کے کم ہونے کی صورت میں ضرورت کے باوجود غریبی کے ڈر سے وہ اس کی شادی کو دیر تک ٹالے رہنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ اس

تفصیل سے آج کے حالات میں آیتِ کریمہ کا پیغام بالکل واضح ہے کہ سماج کے ہر طبقے: امیر، غریب، پس ماندے پچھڑے، بے اثر، با اثر، کسی بھی طبقے کے ضرورت مند مرد و عورت کی شادی وقت پر ہو جانی چاہیئے اور غریبی کے ڈر سے اس کو لگاتار اور مسلسل ٹالنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب زمانۂ نزولِ قرآن کے وقت کے سماج کے سب سے کم زور طبقے غلاموں کے معاملے میں اس تاخیر کو گوارا نہیں کیا گیا تو آج آزادی کی دولت سے مالا مال انسانی جماعت کے لیے اس میں دیر اور تاخیر کے لیے کیا وجہ جواز ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے آخری رسول ﷺ کی اس حدیث کو آیت کریمہ کی شرح کہا جاسکتا ہے:

ثلاثة حق على الله عونهم: المجاهد فی سبيل الله والمكاتب الذی يريد الاداء والناكح الذی يريد العفاف. ۳۱	تین طرح کے لوگ ہیں جن کی مدد کرنے کو اللہ نے اپنے اوپر فرض کرلیا ہے: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، مکاتب ۳۰ غلام جو اپنے اوپر واجب رقم کو ادا کرنے کا خواہش مند ہو اور نکاح کا خواہش مند جو اس کے ذریعہ اپنی پاک بازی کا انتظام کرنا چاہتا ہو۔

اسی سے ترغیب حاصل کرتے ہوئے مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کہنا ہے کہ:

عجبت لمن لايرغب فی الباءة والله يقول : اِنْ يَّكُوْنُوا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ . ۳۲	مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو شادی میں دل چسپی نہیں رکھتا، دراں حالیکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ایسے لوگ اگر محتاج ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مال دار کردے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اوپر کی حدیث کے حوالہ سے، جس کی روایت جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے، فقہ میں کہا گیا ہے کہ اس کے لیے ضرورت کے تقاضے

سے اگر قرض بھی لینا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسراف اور فضول خرچی اور بے اعتدالیوں سے بچتے ہوئے شادی کے لیے قرض لینا جائز ہی نہیں، بلکہ مندوب و مستحسن ہے:

ویندب... الاستدانة له ۳۳؎ اور شادی کے لیے....قرض لینا مستحب ہے۔

اسی طرح لڑکیوں کے سلسلے میں اس کے معاون اسباب کو اختیار کرنے کو سنت کہا گیا ہے جس سے کہ ان کی جلد شادی کی سبیل پیدا ہو سکے:

.... وتحلية البنات بالحلي والحلل ليرغب فيهن الرجال سنة ۳۴؎

..اسی طرح یہ سنت ہے کہ لڑکیوں کو زیور اور اچھے کپڑوں سے آراستہ رکھا جائے، تاکہ مردوں کی ان سے دلچسپی پیدا ہو۔

آج کے حالات میں بحمد اللہ معاشرے میں عام طور پر مالی فراوانی سے لڑکیاں اچھے لباس اور اچھے منظر (Look) کے ساتھ ہی رہتی ہیں۔ لیکن جہاں اس کی کمی ہو فقہ کے اس جزئیہ کے حوالہ سے اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ اس کا اصل تقاضا مزید واضح ہے کہ صرف لڑکیوں کی تزئین و آرائش ہی پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ساتھ ہی ان کی جلد اور بروقت شادی کا اہتمام کیا جائے۔ جب کہ آج عام طور پر حالت یہ ہے کہ لڑکیوں کے بناؤ سنگار اور ان کے اچھے کپڑے اور میک اپ پر تو والدین کی بہت توجہ رہتی ہے، لیکن مختلف بہانوں سے ان کی شادی کا معاملہ ٹلتا رہتا ہے اور اس میں دیر پر دیر ہوتی رہتی ہے۔

استعفاف کی تلقین

اگلی آیتِ کریمہ میں مسلمان مردوں کو شادی نہ ہونے کی صورت میں اپنے جنسی جذبات پر قابو رکھنے کا حکم ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط (نور: ۳۳)

جو لوگ نکاح نہ کرسکیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے جنسی جذبات پر قابو رکھیں، یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے مال دار کردے (جس کے بعد ان کے لیے نکاح کرنا آسان ہو جائے)۔

اس آیتِ کریمہ میں خطاب مردوں سے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حکم صرف انہی کے لیے ہے، عورتوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔ خطاب کا مردوں کے ساتھ خاص ہونا تین وجہوں سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ مالی دشواری سے شادی میں تاخیر شریعت کے لحاظ سے صرف مردوں کا مسئلہ ہے، جو اصولی اور قانونی طور پر اپنی شادی خود کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس کے برخلاف لڑکی کی شادی، چاہے وہ پہلی ہو یا دوسری یا تیسری، یہ اس کے اولیاء یعنی درجہ بدرجہ باپ، دادا، بھائی، چچا وغیرہ کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس کے مصارف کی فراہمی کی ذمہ داری بھی انہی کی ہے۔ لڑکی کو اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری وجہ دنیا کے تمام تر معروف اور صحت مند ادب کی طرح قرآن کا معروف اسلوب بھی یہی ہے کہ اکثر وبیش تر بات طبقۂ ذکور کے حوالے سے کہی جاتی ہے۔ دستورِ ہند میں جو کچھ مذکر صیغے سے کہا گیا ہے وہ صرف مردوں کے لیے نہیں ہے، عورتیں بھی اس میں اسی طرح شامل ہیں۔ ضرورت کے خاص تقاضے سے ہی عورتوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے، جسے ایک طرح سے کتاب اللہ کے طرزِ بیان کی پیروی کہا جاسکتا ہے۔ اس کی تیسری وجہ حیا اور عورت کی پردہ داری ہے۔ کتاب اللہ کو گوارا نہیں ہے کہ کنواری لڑکی اور بن بیاہی عورت کے جنسی جذبات کا سرِ عام تذکرہ کرے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر لڑکی اور عورت کا ولی وقت پر اس کی شادی نہ کرسکے اور معقول عذر سے اس میں کسی قدر دیر ہو تو آیتِ کریمہ کی روح اور اس کے جوہر کا تقاضا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی شادی کی تاخیر کی صورت میں اپنے جنسی جذبات پر قابو رکھنا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان معاشرے کو شادی کے معاملے میں روایت شکن ہونا چاہئے۔ وقت کے غلط رسم ورواج اور اسراف اور فضول خرچی کی برائیوں سے بچتے اور حقیقی ضروریات زندگی کو محدود سے محدود تر کرتے ہوئے اسے اپنے یہاں شادی کو آسان سے آسان تر کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے باوجود ایسی بہت سی مجبوریاں، دشواریاں اور رکاوٹیں سامنے آتی ہیں کہ خواہش اور کوشش کے باوجود لڑکے اور لڑکی کی شادی میں دیر اور تاخیر کرنی پڑتی ہے۔ مالی دشواریاں نہ بھی ہوں تو مناسب

رشتہ نہیں ملتا۔ آج کے حالات میں لڑکے لڑکیوں کی تعلیم ، ملازمت اوران کے جمنے (Establish) ہونے کے مسائل بھی کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ اس کے پیش نظر اگر آیتِ کریمہ میں مالی دشواریوں سے شادی میں تاخیر کی صورت میں طبقۂ ذکور کو اپنے جنسی جذبات پر قابو رکھنے کا حکم ہے ،تو اس کے مفہوم میں بلاشبہ لڑکیاں اور عورتیں بھی شامل ہوں گی ۔ اس سے ان کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اس طرح کی صورت میں مسلمان نوجوانوں کو جو تدبیر بتائی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے اور اسے ایک طرح سے زیرِ نظر آیتِ کریمہ کی تشریح کہا جاسکتا ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء. ۳۵

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو کوئی شادی کی طاقت اور استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ شادی کر لے۔ اور جس کو اس کی استطاعت نہ ہو اس کو چاہئے کہ (نفلی) روزے رکھے ۔ اس سے اس کو اپنے جنسی جذبے پر قابو رکھنے میں مدد ملے گی۔

اس حدیث میں شادی میں تاخیر پر نوجوانوں کو اپنے جنسی جذبات کو دبانے کے لیے نفل روزوں کے جس نسخۂ کیمیا کا ذکر ہے، پیش نظر مقصد سے اس کی افادیت میں کلام نہیں ہوسکتا۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں اس پر عمل درآمد میں دشواری ہو تو غذا کی تقلیل اور سادہ خوراک کے اہتمام سے اپنے لیے اس کا بدل فراہم کرنا چاہئے ۔ ان شاء اللہ نیت کی برکت سے اس کا بھی ایسا ہی اثر ہوگا اور بارگاہ رب العزت میں اس کے اجر کی بھی ایسی ہی امید کی جاسکتی ہے۔ جس طرح پچھلی آیتِ کریمہ (نور-۳۲) میں بغیر شادی کے آزاد مردوں اور عورتوں کی طرح بغیر نکاح کے غلام مردوں اور عورتوں کی شادی کا ایک ساتھ حکم ہے ۔ اسی طرح زیرِ نظر آیت کریمہ میں 'استعفاف' جنسی جذبات پر قابو رکھنے کے حکم میں مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہونا چاہئے۔ آیتِ کریمہ کے اگلے ٹکڑے میں اُس زمانہ کے لحاظ سے غلاموں کی ایک خاص قسم (مکاتب) غلاموں

کو آزاد کرنے کا حکم ہے۔ اس سے مراد وہ غلام ہیں جو ایک متعین رقم کی ادائیگی پر معاہدے کے مطابق آقا کی غلامی سے آزاد ہو جاتے تھے۔ اس کے لیے ان کے مالکوں کو اپنی طرف سے مالی مدد دینے کی ترغیب ہے۔ جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس مقصد سے طے شدہ رقم میں آقا کی طرف سے تخفیف کردی جائے [۳۶]۔ شریعت میں زکوٰۃ کی مدّات میں ایک غلاموں کو آزاد کرنے کی ہے:

وَفِی الرِّقَابِ (توبہ:۶۰) اور زکوٰۃ گردنیں چھڑانے میں صرف کی جائیں۔

اس کی معروف تفسیر انہی مکاتب غلاموں سے کی گئی ہے [۳۷]۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آقا اس مقصد سے اپنی زکوٰۃ کی رقم سے بھی اس کی مدد کرسکتا ہے۔ دوسرا ایسا ہی حکم باندیوں سے زبردستی پیشہ کرانے کی ممانعت کا ہے، جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ چنانچہ اس کے سلسلے میں تفسیر میں بعض لوگوں کے ناموں کی بھی صراحت ہے [۳۸]۔ اس پس منظر میں پہلے حکم کی زیر نظر سلسلے سے یہ مناسبت ہے کہ مکاتب غلام آزاد ہو کر اپنی شادی کے معاملے میں خود مختار ہو جائے اور باندیوں سے پیشہ کرانے کے بجائے ان کو شادی کے بندھن میں باندھا جائے، جیسا کہ اوپر کی آیت کریمہ (نور:۳۲) میں اس کا حکم ہے۔ آج کے حالات میں آیت کریمہ کا منشا ومراد واضح ہے کہ شادی کی تاخیر کی صورت میں جنسی جذبات پر قابو رکھنے 'استعفاف' کی تلقین کے ساتھ ان اسباب اور رکاوٹوں کا ازالہ بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے آدمی کے لیے پاک باز زندگی گزارنی مشکل ہوتی ہے۔ آج کے زمانہ میں کہنے کے لیے رسمی غلامی نہ ہوتے ہوئے بھی سماج میں طبقاتی تقسیم بہت گہری ہے۔ مختلف اسباب سے جب پڑھے لکھے اور خوش حال گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کی شادی کے لالے پڑے ہوئے ہیں تو غریبوں اور کم زوروں کی اس سلسلے میں دشواریوں کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱ لڑکے اورلڑکی کے نکاح میں عام طور پر'اولیاء' کے دخل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب 'اسلام کا نظریۂ جنس' کی بحث 'اولیاء کی تفصیل' مطبوعہ ادارہ علم وادب، علی گڑھ۔

۲ احکام القرآن للجصاص: ۳/۳۹۴، مطبعہ بہیہ، مصر ۱۳۴۷ھ، باہتمام: عبدالرحمٰن محمد عبیدان، الجامع الازہر۔

۳ حوالہ سابق

۴ الکشاف للزمخشری: ۳/۶۳، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۹۷۲ء/۱۳۹۲ھ، طبعہ اخیرہ۔ تحقیق روایات: محمد الصادق القمحاوی۔

۵ احکام القرآن للجصاص: ۳/۳۹۴-۳۹۵، محولہ بالا۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی. (م ۶۷۱ھ): الجامع لاحکام القرآن: ۱۲/۲۳۹-۲۴۰، مرکز تحقیق التراث، مطابع الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب ۱۹۸۷ء۔

۶ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱۲/۲۳۹-۲۴۰، محولہ بالا۔

۷ الجامع لاحکام القرآن: ۱۲/۲۴۰، محولہ صدر۔

۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب 'کم سنی کی شادی اور اسلام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

۹ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳/۶۳-۶۴، طبع مذکور

۱۰ موضح القرآن/۵۸۶، طبع قدیم تاج کمپنی لاہور، کراچی۔

۱۱ صاحب جلالین نے زیر نظر آیت کریمہ میں 'صالحین' کی تفسیر 'مؤمنین' سے کی ہے: (والصالحین) المؤمنین۔ تفسیر الجلالین/۴۶۳، دارالمعرفۃ، بیروت، اس سے بحمداللہ ہماری رائے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

۱۲ اپنی باندی کی شادی کردینے کے بعد آقا اس سے مباشرت اور مجامعت نہیں کرسکتا۔ البتہ اس سے اپنی دوسری خدمت حسب معمول لیتا رہے گا۔ غلاموں اور باندیوں کی شادی سے متعلق دیگر احکام ومسائل کے لیے کتب فقہ سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔ اس وقت دنیا میں چوں کہ رسمی غلامی موقوف ہے اس لیے سردست اس کی چنداں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳ کان یجمع غلمانه لما ادرکوا عکرمة و کریبا وغیرهما ویقول ان اردتم النکاح انکحتکم فان العبد اذا زنی نزع الایمان من قلبه . ابوحامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین : ۲/ ۱۵، مطبعہ عامرہ شرفیہ ، مصر ۱۳۲۶ھ وبہامشہ : عوارف المعارف للامام السہر وردی۔

۱۴ الجصاص: احکام القرآن: ۳/ ۳۹۵۔

۱۵ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی الاندلسی المالکی (م ۵۴۲ھ) احکام القرآن: ۲/ ۱۰۴، مکتبہ السعادہ ، مصر ۱۳۳۱ھ، طبعہ اولیٰ ۔ علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں قاضی ابن العربی کے اس پورے بیان کو ان کے الفاظ کے ساتھ نقل کرلیا ہے: الجامع لاحکام القرآن :۱۲/ ۲۳۹، اس کے علاوہ قاضی ابن عربیؒ نے اس موقع پر جو کچھ کہا ہے وہ تقریباً پورا کا پورا علامہ قرطبیؒ کے یہاں موجود ہے۔

۱۶ ابن عربی مالکی: احکام القرآن ۲/ ۱۰۴، محولہ بالا۔

۱۷ ایضاً

۱۸ بدایۃ المجتہد :۲/ ۲، دارالمعرفۃ ، بیروت ، طبعہ سادسہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

۱۹ المغنی لابن قدامہ: ۶/ ۴۴۶ ، مکتبۃ الجمہوریہ العربیہ، مصر۔

۲۰ المغنی لابن قدامہ: ۶/ ۴۴۶، محولہ بالا ۔

۲۱ علاء الدین الحصکفی (م ۱۰۸۸ھ): الدر المختار مع رد المحتار : ۲/ ۳۵۸، درسعادت ، مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۲۴ھ۔

۲۲ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ): ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۵۸، محولہ بالا ۔

۲۳ مغنی: ۶/ ۴۷۷۔

۲۴ ابوحامد الغزالی (م ۵۰۵ھ): احیاء علوم الدین: ۲/ ۱۶-۲۴، مطبعہ عامرہ شرفیہ، مصر ۱۳۲۶ھ۔

۲۵ احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۳، محولہ صدر۔

۲۶ احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۴۔

۲۷ احیاء علوم الدین: ۲/ ۲۰۔

۲۸ احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۹۵، طبع مذکور، نیز ملاحظہ ہو: تفسیر الجلالین/ ۴۶۲، محولہ بالا

۲۹ ابن عربی مالکی: احکام القرآن: ۲/ ۱۰۵۔ صاحب جلالین نے شادی کے ذریعہ مال داری کی رائے کو ترجیح دی ہے: (**یغنیهم الله**) **بالتزوج – تفسیر الجلالین**/ ۴۶۳، طبع مذکور۔

۳۰ مکاتب وہ غلام جس کا اپنے مالک سے معاہدہ ہوگیا ہو کہ وہ ایک خاص رقم ادا کرکے اس کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا۔ اس کا ایک حصہ وہ ادا کردے اور باقی کے لیے اس کو مدد کی ضرورت ہو۔ قرآن کی رو سے ایسے غلام کو زکوٰۃ کی رقم سے بھی آزاد کرایا جاسکتا ہے جسے اس وقت کے لحاظ سے زکوٰۃ کے معروف آٹھ مصارف کا ایک مصرف قرار دیا گیا ہے۔ **وفی الرقاب**. (توبہ: ۶۰) آگے اس کی تفصیل ہے۔

۳۱ احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۹۴۔ نیز: احکام القرآن لابن العربی: ۲/ ۱۰۵۔

۳۲ احکام القرآن لابن العربی: ۲/ ۱۰۵، ابوبکر جصاص حنفیؒ نے اس کو حضرت عمرؓ کے قول کی حیثیت سے پیش کیا ہے: **قال عمر بن الخطاب**ؓ **مارأیت مثل من یجلس ایما بعد هٰذه الآیه(وانكحوا الایامیٰ منكم) التمسو الغناء وبالباءة**۔ احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۳۹۵۔ (حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اس آیت کریمہ کے بعد بھی بغیر نکاح کے بیٹھا رہے گا: (اور تم میں سے جو بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو) تم شادی کے ذریعہ مال داری حاصل کرو۔

۳۳ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۹-۳۶۰۔

۳۴ رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۳۶۔

۳۵ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بحوالہ: احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۹۴۔

۳۶ تفسیر الجلالین/ ۴۶۳۔ دار المعرفۃ، بیروت،

۳۷ تفسیر الجلالین/ ۲۵۰، طبع مذکور

۳۸ مشہور منافق عبداللہ بن ابی جو اپنی باندیوں کو مجبور کرکے ان سے پیشہ کراتا تھا۔ تفسیر الجلالین/ ۴۶۳۔

☆